زاہد حسن

نذرالاسلام، دیوندر ستیارتھی اوراب سعید بھٹا

کہتے ہیں بندے سے بندہ جڑتا ہے اور کہانی سے کہانی اور کہانی سے چلتا ہے زندگی کا سلسلہ۔ زندگی سے جڑا ہوتا ہے انسانی تہذیب، تمدن اور ثقافت کا رنگ اور یہ سب کچھ بھی ہوتا ہے کہانی کے سبب۔ پنجابی تہذیب میں کہانی مرکزی دھارے کی حیثیت رکھتی ہے۔ کہانی کے کئی رنگ ہوتے ہیں لیکن ان رنگوں میں وہاں کے سماج، تاریخ، جغرافیے، لوگ، لوگوں کے جینے کا ڈھنگ نمایاں ترین ہوتا ہے۔ زیادہ دور کی بات نہیں۔ ہمارے سماج، ہماری ملکی تاریخ میں پنجابی زبان کی کہانی کا کردار اتنا مضبوط نہ تھا جتنا آج ہے۔ یہاں تک کہ ہم سے پہلی نسل کہتی ہے بیس سال پہلے تک پنجابی زبان میں اتنی کتابیں بھی نہ چھپتی تھیں جتنی کہ ایک ریک میں دھری جاسکیں۔ اب ایک برس میں ایک ادارے کی طرف سے پنجابی کی اتنی کتابیں چھپ جاتی ہیں کہ پورا ریک بھر جاتا ہے اور بات محض ریک کے بھرنے کی نہیں۔ سوال یہ بھی ہے کہ کیا یہ کتابیں جو چھپتی ہیں اس قابل بھی ہوتی ہیں کہ ان کی کوئی علمی، ادبی، فکری اور تخلیقی اہمیت بنتی ہو۔ تو پچھلے کچھ عرصہ کے دوران بعض ایسی کتابیں ضرور چھپی ہیں جو نہ صرف پنجابی زبان وادب بلکہ ثقافتی حوالے سے بھی نہایت اہمیت کی حامل ہیں۔ خاص طور پر ایک نئے ادارہ ''سانجھ پبلی کیشنز'' نے پچھلے کچھ عرصہ میں ایسی کتابیں شائع کی ہیں۔ جن میں سے بعض کی اہمیت مسلمہ بنتی ہے۔

پچھلے کچھ عرصہ کے دوران پنجابی زبان وادب اور خاص طور پر لوک ادب اور لوک شاعری کے حوالے سے پروفیسر سعید بھٹا نے جو کام کیا ہے وہ ہمارے لئے، ہم سب کیلئے فخر اور مان کا سبب ہے۔ خاص طور پر لوک شاعری، لوک واریں جو بعض لوگوں کے درمیان نسل در نسل چلی آرہی تھیں اور اس عہد میں آکر کہ جب ان کے ختم ہونے، کھو جانے کا اندیشہ ہے انہیں سنبھال لینا قابل قدر کام تھا اور یہی کام کیا ہے سعید بھٹا نے، خاص طور پر لوک کہانیاں جنہیں انہوں نے ''کمال کہانی'' کے نام سے مدون کر دیا ہے۔ سو، بہت محنت اور توجہ کیساتھ

انہوں نے اس کو ایڈٹ کر کے سامنے لایا ہے۔ کمال دین جواب عمر کی سیڑھی کے آخری سرے پر کھڑے تھے ان سے کہانیاں اور واریں سن کر اور کمال دین کے زندگی کے سفر کو سامنے لانا اور اس فرق کو جو حقیقی تاریخی کہانیوں اور لوک کہانیوں میں موجود ہوتا ہے۔ شاید اس لہو کا تقاضا تھا اور اس تقاضا کی تفریق کو انہوں نے ''کمال کہانی'' کے شروع میں کچھ اس طرح بیان کیا ہے۔

''ان کہانیوں کی ایک خاص بات تاریخی ہونا ہے۔ یہ کہانیاں محض کہانیاں بھی نہیں۔ درست ہے کہانی میں تاریخ ویسے نہیں آتی جیسے تاریخ کے علم میں۔ لوک کہانیاں سینہ بہ سینہ چلتی ہیں۔ کہانیوں میں کمی بیشی بھی ہوتی ہے۔ تھوڑا بہت وقت کیساتھ زبان کا بھی فرق پڑ جاتا ہے۔ ایک تو ان کہانیوں کے بیشتر کرداروں کی اولاد انہی جگہوں پر بیٹھی ہے۔۔۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ کردار ایسے نہیں جو محض کہانی گوؤں کے کردار ہوں یا کہانی گوؤں نے انہیں بچایا ہو۔ یہ اس تہذیب کے کردار ہیں۔ ہر کہانی میں خاص اخلاقی نکتہ ہے، جو لوک پہلو کو ابھارتی ہے۔ اوپری سطح پر یہ کہانیاں فیوڈل نظام کی حامل نظر آتی ہیں۔ لیکن داخلی سطح پر بہادر اسی کو تسلیم کیا گیا ہے جس میں انسانیت ہو۔ کہیں ظالم اور ناانصافی کا ساتھ دیا گیا نظر نہیں آتا!!!''

بنیادی طور پر یہی معاملات ہیں دانش اور حکمت کے جو یہ لوک کہانیاں سامنے لاتی ہیں اور جو اپنی تاریخی سچائیاں اور تاریخی دانش کو اکیڈمک، تاریخی تناظر سے منفرد اور علیحدہ رکھتی ہیں۔ کمال دین، جنہوں نے کل پانچ جماعتیں پڑھیں اور پھر اس لئے چھوڑ دیں کہ استاد نے مارا۔ لیکن پھر پوری زندگی، زندگی کی دانش سے بھری لوک کہانیاں اور لوک شاعری اور لوک واریں اکٹھی کرتے رہے اور انہیں لوگوں کی محفلوں، اکٹھوں اور مجمعوں میں گاتے رہے، سناتے رہے اور داد پاتے رہے اور ان کیلئے سب سے بڑی اور بھرپور داد تو سعید بھٹا کی طرف سے ملی کہ انہوں نے ان کہانیوں کو سن کر، ریکارڈ کر کے، ٹرانسکرئب کر کے انہیں اشاعتی صورت میں سامنے لایا۔ اگرچہ سعید بھٹا کے لفظوں میں ان کہانیوں میں جو زور ہے وہ اکیلے کمال دین کا کمال نہیں بلکہ یہ قوت ہے کلچر کی، ہزاروں برس کی ریت

ہے کہانی سننے اور سنانے کی۔ اس کے پیچھے ان محفلوں کی طاقت ہے اور اس ریت، رواج اور تمدن کی حامل کہانی کا مستقبل وہ دیکھتے ہیں۔ موجودہ عہد کے افسانے میں لیکن اگر اس کا خمیر قدیم لوک داستانوں سے اٹھے گا۔ تبھی یہ سب کچھ ممکن ہوگا۔

''کمال کہانی'' میں سعید بھٹا نے جو کہانیاں جمع کر دی ہیں ان میں شامل ہیں؛ راجا پورس، راجا کرنال، ملاں دو پیازہ، گامن سچیار، جگھتیار ہرل، خضر علی خان دا بھٹی، نارنگ ساہی، نور، کندر دا سپرا، میر مل دا کھرل، راء صاحب بھٹی، چودھری بہاب للیرا، فتح خان موتیاں آلا، سخی سوداگر اور چار سیانے۔ ان کہانیوں کے موضوعات اور شخصیات کے حوالے سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس کتاب میں خطہ پنجاب کی کتنی اہم اور بہادر شخصیات کو یکجا کر دیا گیا ہے۔

یہ کام جو ایک انسٹیٹیوٹ کے کرنے کا تھا تنہا سعید بھٹا نے کر کے اور امجد علی منہاس نے اس کو شائع کر کے، بڑے بڑے لکھنے والے اور وعدے اور دعوے کرنے والے اداروں کو یہ بتا دیا ہے کہ کام کرنے کیلئے کس خلوص اور لگن کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس خطے میں بھٹا صاحب سے پہلے یہ کام بنگالی زبان میں نذرالاسلام اور پنجابی میں دیوندر ستیارتھی سرانجام دے چکے ہیں۔۔۔۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ جب ہم دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی یہ کام سرانجام دے رہا ہے تو پھر بالحیثیت مجموعی ہم یہ فرض کر لیتے ہیں کہ اب اس طرح کا کام وہی کرے گا۔ ہمارا کوئی فرض بنتا ہے اور نہ ہی ہم یہ کر سکتے ہیں۔ درحقیقت بات بھی کچھ اس طرح کی ہے اور اس لئے تو سعید بھٹا کو جی بھر کے خراج تحسین پیش کرنے کو جی چاہتا ہے۔ انہوں نے یقیناً ''کمال کہانی'' مرتب کر کے کمال ہی تو کر دیا ہے!!!

(روزنامہ ''دن'' 30 دسمبر 2006ء)